© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

وقت کی ضرورت

جماعت اسلامی کے کارکنوں سے چند باتیں

سیّد منور حسن

جماعت اسلامی از اول تا آخر ایک دینی و فکری تحریک ہے جس کی عمارت اس کی تنظیم اور تربیتی نظام پر کھڑی ہے۔ اقامت دین کی تحریک ہونے کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ یہ اس کی ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ چل رہے ہیں، ان کے تزکیۂ نفس کے لیے اور زندگی کے تمام گوشوں کو روشن اور منور رکھنے اور انھیں اندھیروں سے بچانے کے لیے ان کی تربیت کا خصوصی اہتمام و انتظام کرے۔ انبیاے کرامؑ کا مشن بھی اصلاً تزکیۂ نفس ہی تھا اور اسلامی تحریکیں معاشرے کے اندر جو انقلاب لانا چاہتی ہیں اس کا مقصود بھی یہی ہے۔ اگرچہ اجتماعی دائرے کا انقلاب زندگی کے تمام دائروں پر محیط ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک فرد کی اصلاح، اور اس کے اندر انقلابیت، یعنی ایثار و قربانی اور اپنے آپ کی نفی کرتے ہوئے معاشرے کا اثبات کرنے کی صلاحیت موجود نہ ہو۔ اسلامی تحریکیں معاشرے کے اندر نئے انسان اور رویے پیدا کرتی ہیں، پرانے انسانوں کے ہیولے سے نئے انسان جنم لیتے ہیں، اور ان نئے انسانوں سے ایک نیا معاشرہ ترتیب و تشکیل پاتا ہے۔

پرانے انسان سے نئے انسان کیسے وجود میں آتے ہیں؟ اس کی سب سے بہترین مثال تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار سے سامنے آتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا واقعہ تو مشہور و معروف ہے کہ کس طرح گھر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نعوذ باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلتے ہیں مگر آیات قرآنی کی تلاوت سنتے ہی دل کی دنیا تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میری زندگی کے دو ادوار ہیں۔ ایک وہ دور کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک سننا بھی گوارا نہ تھا، اور حضورؐ کا نام سننا بھی طبیعت پر بوجھ تھا، کبھی کبھی جس کو اتارنے کو دل چاہتا تھا، جب کہ دوسرا دور وہ ہے کہ جس میں میری محبوب ترین ہستی اگر کوئی تھی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نشست میں شریک ہوتا تھا اور قدرے فاصلے پر بیٹھتا تھا۔ کبھی آپؐ کو آنکھ بھر کے دیکھا نہ جی بھر کے، اس لیے کہ نگاہیں آپؐ کے چہرے پر ٹھیرتی ہی نہ تھیں۔ اگر کوئی مجھ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کے بارے میں پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا۔ ایک اور صحابیِ رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حالتِ جاہلیّت میں قریش کو کوستا تھا کہ انھوں نے آپؐ کے لیے سب آزمایشیں تو کھڑی کیں لیکن جو کام کرنا تھا وہ تو کیا ہی نہیں، چنانچہ اپنے گھر سے اس ارادے سے نکلا کہ آپؐ پر حملہ آور ہو جاؤں۔ گھر سے نکلا تو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مصروف ہیں۔ بس موقعے کو غنیمت جانا اور خود بھی طواف میں شریک ہو گیا اور اس انتظار میں رہا کہ مناسب موقع اور وقت ہاتھ آئے تو آپؐ پر وار کروں۔ اسی اثنا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ قریب پہنچا تو دریافت کیا کہ تمھارا کیا ارادہ ہے؟ یہ سنتے ہی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ شاید آپؐ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں کس ارادے سے آیا ہوں؟ لیکن اس کے باوجود میں نے عرض کیا کہ طواف کر رہا ہوں، اور کوئی دوسرا ارادہ نہیں ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور اپنا دایاں ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور ابھی ہاتھ آپؐ نے اٹھایا نہ تھا کہ دل و دماغ کے تمام بندھن کھل گئے اور اسلام کی سیدھی اور شفاف شاہراہ مجھے نظر آنے لگی۔ لمحوں میں تزکیے کی وہ کیفیت حاصل ہو گئی جو ناقابلِ یقین ہے۔

اس طرح کے کئی دوسرے واقعات اس بات کا پتا دیتے ہیں کہ معاشرے میں ہمیشہ ایسے انسان موجود رہیں گے جو لمحوں کے اندر اپنا پورا تزکیہ کرنے کی صلاحیت سے آراستہ و پیراستہ ہوں گے۔ معاشرے کے اندر جو لوگ دعوت دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں، یہ بات ان کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ میدانِ دعوت میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جن پر آپ برسہا برس کام کریں گے مگر وہ آپ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ نہ دیں گے، اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جو لمحوں کے اندر اس راہ کے راہی بن جائیں گے۔

تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت

انسان اضداد کے مجموعے کا نام ہے۔ نیکی کے جذبات کا ایک سمندر ہے جو اس کے اندر پنہاں ہے اور بدی کا ایک طوفان ہے جو اس کے اندر پناہ لیے ہوئے ہے۔ وہی انسان ہے جو نہایت خونخوار ہے اور انتقام لینے پر آئے تو سیکڑوں لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیتا ہے، اور وہی انسان ہے جو انسانوں کی ہمدردی میں بڑے بڑے دریا اور سمندر عبور کر لیتا ہے۔ ایک ہی انسان کے اندر کئی کئی انسان موجود ہیں۔ ایک ہی انسان کئی کئی کشتیوں میں سوار، کئی کئی منزلوں کی طرف گامزن اور رواں دواں ہے۔ ان تضادات کو رفع کرنا، اسے یکسوئی اور طمانیت کی دولت سے مالا مال کرنا، اور اپنے رب سے رجوع کرنے کی دعوت دینا، فی الحقیقت تربیت ہے، تزکیۂ نفس ہے، تعمیر سیرت ہے، کردار سازی ہے۔ اسلامی تحریکیں اپنی معیت میں چلنے والے انسانوں کی زندگی تبدیل کرنے کے لیے اس طرح کوشاں ہوتی ہیں کہ واقعی ان کی سیرت و کردار، رویے، طور طریقے، ذہن و فکر کے سانچے، نکتہ ہائے نظر اور زاویہ ہائے نگاہ بدل جاتے ہیں اور ایک نیا انسان وجود میں آ جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقے سے لوگوں کو مخاطب کیا، ساتھ ملایا، ہم نوا بنایا، وہ ہمارے لیے تو لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے مصداق بہترین نمونہ ہے مگر قرآن پاک کا بھی بڑا اہم رول ہے۔ اسی لیے یزکیھم سے پہلے تلاوتِ آیات کی بات آئی ہے۔ تلاوتِ آیات کا بلاشبہہ یہ مفہوم بھی ہے کہ قرآن پاک کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا اور حفظ کیا جائے، لیکن تلاوتِ آیات وہ مطلوب ہے جو دل کے اندر اُتر جائے اور جس کے نتیجے میں عقائد کی اصلاح ہو، رویے تبدیل ہوں، اعمال کے اندر تبدیلی واقع ہو، اور زندگی اور اس کی ترجیحات بدل جائیں۔ جس قرآن کو پڑھنے کے نتیجے میں آدمی نہ بدلے اور 'خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں' کا عنوان بن جائے، ظاہر ہے کہ وہ تزکیہ اور تربیت کی تعریف میں نہیں آتا۔ قرآن پاک کے ساتھ ایک خاص قسم کے شغف کی ضرورت ہے جس کی مثال حضور نبی اکرمؐ کے اسوے میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف لائے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: عبداللہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں قدرے حیران ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سوال کیا کہ حضورؐ قرآن پاک تو آپؐ پر نازل ہوا ہے، آپؐ کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے، آپؐ سے ہم نے سنا اور سمجھا ہے، میں بھلا آپؐ کو کیا قرآن سناؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں عبداللہ! آج تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سنائے، اور میں سنوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی، جب اس آیت پر پہنچے کہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا٥ (النساء ۴:۴۱) ''پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمھیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے''، تو اسی دوران میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اندازہ ہوا کہ جیسے آپؐ ہاتھ کے اشارے سے روک رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ عبداللہ ٹھیر جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سر اُٹھا کر دیکھا تو نبی اکرمؐ زار و قطار رو رہے ہیں، اور جواب دہی کے احساس سے ریش مبارک اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرمؐ تہجد کے وقت حالتِ قیام میں تھے، جب سورۂ ابراہیم کی اس آیت پر پہنچے: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ (ابراھیم ۱۴:۳۶) ''پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہٰذا ان میں سے جو) میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تُو درگزر کرنے والا مہربان ہے''، تو اس آیت پر رک گئے اور پڑھتے جاتے تھے، روتے جاتے تھے تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ امین کو بھیجا۔ انھوں نے آکر سوال کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے تو اپنی اُمت کے لیے سب کچھ مانگ لیا، جو گناہ گار ہیں، ان کو مغفرت کے حوالے کر دیا جو اطاعت شعار ہیں ان کے لیے وعدے کا ذکر کیا ہے۔ ان کی دعا کو پڑھتا ہوں تو اپنی امت کا خیال اور احساس مجھے ستاتا اور ڈراتا ہے۔ حضرت جبریلؑ واپس جاتے ہیں اور پھر یہ خوش خبری لے کر واپس آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو بھی اپنی امت کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کی طرح مطمئن اور خوش کر دے گا۔ نبی اکرمؐ کے اسوے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک سے شغف کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ اس سے تعلّق کیسے جوڑا جائے، کیسے بڑھایا اور برقرار رکھا جائے؟ آیات کے مفہوم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس طرح آشنا ہوا جائے، اور ان کے اندر جو حکم پنہاں ہے، اپنے آپ کو اس کا مصداق کیسے بنایا جائے۔

اسی طرح قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ انقلابِ امامت جیسے عظیم کام کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کی جائے، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ ۲:۴۵)۔ اسلامی تحریک کا ہر کارکن نماز کے ساتھ ایسا رشتہ استوار کرے کہ جس کے نتیجے میں نماز باجماعت پڑھنے کی ویسی حرص پیدا ہو جائے جیسے دولت وشہرت اور دنیا کی حرص ہوتی ہے اور انسان اس کے لیے پاگل ہوکر ہر جائز و ناجائز اور صحیح و غلط کام کر گزرتا ہے۔ نماز باجماعت پڑھنے کی حرص پیدا ہوگی تو طبیعتوں کے اندر سے اضمحلال دُور ہوگا، سکینت اور سکون کی کیفیت پیدا ہوگی اور ایک نیا انسان وجود میں آئے گا۔ اسی طرح صبر کا معاملہ ہے۔ اپنی پوری زندگی میں حق کو اپنانا اور جسم و جان کو اس پر لگا دینا صبر ہے۔ حق کے معاملے میں اگر آدمی خود کسی الجھاؤ میں مبتلا ہو جائے اور 'کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے' کی گردان کرنے لگے تو وہ خود بھی کمزور پڑ جاتا ہے اور اپنے اردگرد فضا کو بھی مسموم کرتا ہے۔

مطالعہ لٹریچر کی اہمیت و ضرورت

جماعت اسلامی بنیادی طور پر ایک فکری اور علمی تحریک ہے۔ جو لوگ اس تحریک کے افکار ونظریات سے واقف نہیں ہیں، اس کے لٹریچر، بنیادی اصولوں اور قواعد وضوابط سے آگاہ نہیں ہیں، وہ اس میں کچھ عرصے کے لیے فعال اور متحرک تو رہ سکتے ہیں لیکن دیر تک اور دُور تک اس کے ساتھ چلنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق جب لوگ مطالعے کے بغیر معاشرے میں متحرک دکھائی دیتے ہیں تو ان کے پاس بالآخر کہنے کے لیے کوئی مواد یا لوازمہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اگر وہ مطالعے سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں تو جس طرح کنویں سے رفتہ رفتہ پانی کے بجائے کیچڑ نکلنے لگتا ہے، بلا مطالعہ انسان بھی اس کیفیت سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔ ایک علمی تحریک سے وابستہ لوگ اگر مطالعے سے دُور ہو جائیں گے اور اپنے رویوں کے اندر اس کی کوئی اہمیّت و مقام نہیں پائیں گے، تو ڈر ہے کہ وہ پھر ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوں گے کہ جہاں اپنی تحریک کی صحیح اور مؤثر ترجمانی نہ کر سکیں گے، اور نہ اس کو بیان کر سکیں گے کہ ہماری تحریک کیا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی کے ہر ذمہ دار اور کارکن کے بارے میں حسن ظن کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ مطالعے کا خوگر ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا تیزی سے تبدیل ہورہی ہے، معاشرے سے پرانی اقدار رخصت ہوتی جارہی ہیں اور نئی اقدار جنم لے رہی ہیں۔ ایسے عالم میں لوگوں کو مطالعے کی طرف متوجہ کرنا فی الحقیقت ایک مشکل کام ہے۔ اگر انسان مطالعے کا خوگر ہو جائے تو اس کے نتیجے میں ہر رطب و یابس پڑھ جاتا ہے، جو رسالہ ہاتھ آیا اس کو چٹ کرلیا، جو مضمون دیکھا اس پر اول تا آخر نظر ڈال لی۔ پڑھتے پڑھتے بالآخر انسان کے اندر ایک ذوق بھی پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ کوئی کتاب اٹھاتا ہے، کوئی رسالہ اس کے ہاتھ آتا ہے تو چند لمحوں کے اندر ورق گردانی اور اس کی سرخیاں دیکھ کر اندازہ کر لیتا ہے کہ یہ میرے کام کی چیز ہے یا نہیں۔ میں جن مقاصد، زندگی کے جس نصب العین، اور معاشرے کو تبدیل کرنے کے لیے جو زادِ راہ جمع کر رہا ہوں اس میں یہ مفید اور معاون ہے یا نہیں۔ اگر مفید ہوتا ہے تو وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے، اور جب دیکھتا ہے کہ اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں صرف انھی چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس کی کارکردگی میں بہتری اور جوش وخروش اور وابستگی میں بڑھوتری کا ذریعہ بنے۔

جماعتی مجالس میں اب غیر فعال کارکن کا ذکر ہونے لگا ہے، اور کہیں کہیں ارکان کے بارے میں بھی یہی کہا جانے لگا ہے۔ غیر فعال بھی اور کارکن بھی، حالانکہ کارکن تو نام ہی میدان کے اندر موجود متحرک، فعال اور بیدار شخصیت کا ہے۔ یہ متضاد اصطلاح اس لیے سنائی دیتی ہے کہ بہت سے لوگ ہنگامی طور پر بہت کام کرتے ہیں جس کی قدر کرنی چاہیے، اور بعض اوقات وہ معمول کے کارکن سے زیادہ حصہ بٹاتے ہیں اور بڑے پیمانے پر پُرجوش اور متحرک دکھائی دیتے ہیں اور کچھ کرگزرنے کی صلاحیت سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے غیر فعال کارکنوں کی ایک فہرست بنائی جائے جنھوں نے ہنگامی طور پر بہت کام کیا مگر جماعت اسلامی ان کے جسم و جان اور ان کی سوچ و فکر کے اندر اُتاری نہ جاسکی، تو اس کی بڑی وجہ یہی نظر آئے گی کہ وہ بنیادی لٹریچر جو فی الحقیقت جماعت اسلامی جیسی انقلابی تحریک کی اساس ہے، اس کے مطالعے کی طرف ان کی طبیعت کو مائل نہ کیا جاسکا اور وہ اس فکر کو حرزِ جاں نہ بنا سکے جو جماعت اسلامی کی بنیاد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مؤثر تنظیم اور سیاسی حکمت عملی

جماعت اسلامی کی تنظیم میں ضلع سب سے اہم اکائی ہے۔ اس کی فعالیت، سرگرم اور پُر جوش ہونا پورے ملک کے اندر جماعت کی تنظیم کا متحرک ہونا شمار ہوتا ہے۔ اس کی اچھائیاں اور خوبیاں پورے ملک کے اندر جماعت کی اچھائیاں اور خوبیاں تصور کی جاتی ہیں، اور اس کی کمزوری اور کوتاہی پوری جماعت کی کمزوری اور کوتاہی کے مترادف ہے۔ اضلاع کی اس اہمیت کے پیش نظر وہاں سب سے اہم کام مناسب اور سرگرم ٹیم بنانا ہے۔ جب کوئی فرد ذمہ داری کا بار اٹھاتا ہے، تو اسے اپنا ہاتھ بٹانے، اپنی صلاحیت کی کمی کو دُور کرنے، اور اپنے بعض معاملات کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دینے کے لیے ایک ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کس فرد میں کیا صلاحیت اور کیا استعداد ہے، اور کس طریقے سے وہ تنظیم اور جماعت کے کام آسکتا ہے اور معاملات میں دل چسپی لے کر ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ لیکن ٹیم کے نام پر گروہ بنا لینا، اپنے ہم نوا و ہم خیال اکٹھے کر لینا، ایسے لوگوں کو جمع کر لینا جو ہاں میں ہاں ملاتے ہوں، درست نہیں ہے جس سے بچنا اولیٰ ہے۔ انسانوں کی تنظیم اور اکائی میں ہمیشہ اس بات کی گنجایش رہی ہے کہ اس حوالے سے کوئی کمزوری اپنا راستہ بنالے لیکن اگر ذمہ داران جماعت اپنے رویوں پر ازسرنو غور کریں اور تنظیم کو اس حوالے سے صاف اور روشن بنا دیں، تو پھر لوگوں کے لیے کام کرنا آسان اور سہل بھی ہو جائے گا اور ان کے ذوق وشوق میں بھی اضافہ ہوگا، نیز بہترین صلاحیت کے حامل ساتھی قیادت کی ذمہ داریاں ادا کرسکیں گے۔

بطور تنظیم، جماعت اسلامی کی ایک کمزوری حالیہ انتخابات میں ایک دفعہ پھر ظاہر ہوئی ہے۔ جماعت کے پاس کارکنان اور اس کے جلو میں چلنے والے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ فہم قرآن کے اجتماعات میں ۵۰، ۶۰ ہزار لوگ آتے ہیں اور بڑے شوق سے جماعت کی دعوت اور ذمہ داران کی گفتگو سنتے ہیں۔ خیبر پختونخوا میں جہاں خواتین کے ووٹ دینے نہ دینے کی بحث ہوتی ہے اور جہاں لوگ عورتوں کو گھروں سے باہر نہیں جانے دیتے، وہاں فہم قرآن کے اجتماعات میں ہزار ہا ہزار خواتین شامل ہوتی ہیں، اور رات کے وقت بھی شریک ہوتی ہیں اور دن کو بھی، کیونکہ لوگ اس کو ثواب اور دین کا کام سمجھتے ہیں۔ جماعت نے ہزار ہا ہزار بلکہ لاکھوں لوگوں کو پورے ملک کے اندر فہم قرآن کے حوالے سے جمع کیا ہے۔ یہی معاملہ الخدمت فاؤنڈیشن کا ہے کہ ہم لاکھوں لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک الخدمت کے ذریعے پہنچے ہیں اور بلاتفریق مسلک و مذہب اور زبان، ان کی خدمت کی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں رجوع کرنے والوں کو ووٹ کی صورت میں تبدیل نہیں کیا جاسکا۔ یہ اگر ووٹر نہیں بن سکے تو اس میں ان کے بجائے تنظیم اور اس کے کارکنوں کی کمزوری کا دخل ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اجتماعات میں لاکھوں لوگ شریک ہوتے ہیں، جماعت اور اس کی قیادت سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں مگر ووٹر نہیں بن پاتے۔ انتخابات سے پہلے کے تین مہینوں میں جماعت نے جگہ جگہ بڑے بڑے جلسے کیے، ان میں حاضری کی کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن وقت اور حالات نے بتایا کہ ان جلسوں میں آنے والے لوگ جنھوں نے اپنا وقت اور پیسہ صرف کر کے ہمارا موقف سنا، مقررین اور انتخابی نمایندوں کو دیکھا، اس پر قائل نہ ہوسکے کہ ووٹ بھی ہمیں دیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ رابطۂ عوام میں تسلسل نہیں ہے۔ ایک رابطے کے ذریعے لوگ اجتماعات میں آجاتے ہیں، سیلاب و زلزلہ زدہ علاقوں میں ہماری خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تعلیم و صحت اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں ہم سے مستفید ہوتے ہیں، مگر جماعت کا کارکن انھیں اس درجہ ہم نوا نہیں بنا پاتا کہ بالآخر وہ ہمارا ووٹر بھی بن جائے۔ نچلی سطح تک اس موضوع کو زیرِ بحث لانا چاہیے کہ ہماری تعریف کرنے والے اور معاشرے میں ہمارے ہم نوا لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہمارے موقف سے اتفاق کرنے والے بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں اور ہمیں پسند کرنے اور ہمارے حق میں دعائیں کرنے والے بھی کم نہیں ہیں، اگر یہ سب لوگ ووٹر بن جائیں تو وہ انقلاب جو بہت دُور نظر آتا ہے بہت پہلے برپا ہوسکتا ہے۔

بلدیاتی انتخابات میں حکمت عملی

آنے والے بلدیاتی انتخابات پھر اس کا موقع فراہم کرنے والے ہیں کہ جماعت اسلامی کی تنظیم اور کارکن بہتر حکمت عملی کے ساتھ میدان میں آئے اور اس حمایت کو سیاسی قوت میں بدلنے کی بھرپور کوشش کرے۔ سیاسی و بلدیاتی دائرے کے اندر فعال ہونا کئی حوالوں سے جماعت کی بھی ضرورت ہے اور عوام کی بھی۔ اس میں کم سے کم کامیابی پیشِ نظر رہنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں پانچ سیٹوں میں سے ہمیں ایک سیٹ مل سکتی ہے وہاں دو کی کوشش نہ کریں، ورنہ وہ ایک بھی ہاتھ سے جاسکتی ہے اور ماضی میں اس طرح کے تجربات سے ہم گزر چکے ہیں۔ بلدیاتی انتخابات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سب سے اہم رول اضلاع کا ہے۔ صوبوں کا رول اس میں ثانوی ہے کیونکہ ان کو معلوم نہیں کہ کس جگہ پر کیا حالات ہیں۔ اضلاع کو یہ بات بہتر طور پر معلوم ہے کہ کون کون سے مقامات ایسے ہیں جہاں انھیں زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

بلدیاتی انتخاب ایک بہترین موقع ہے کہ نوجوان قیادت کو سامنے لایا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ نوجوان زیادہ متحرک اور پُرجوش ہوتے ہیں اور کم وقت میں زیادہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی نوجوان تحریکوں کے لیے سرمایہ ہوتے ہیں۔ نظم جماعت کو بلدیاتی انتخابات میں ایسے نوجوانوں کو سامنے لانا چاہیے، ان کے مشوروں اور تجاویز سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور انھیں ضروری آزادیِ عمل دینی چاہیے تاکہ وہ تحریک کے لیے بہترین نتائج دے سکیں۔ اس تناظر میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ نوجوانوں کا سب سے بڑا اور منظم گروہ جماعت اسلامی کے ساتھ ہے۔ ان کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے ہو، جمعیت طلبہ عربیہ سے ہو، شباب ملی سے ہو یا کسی بھی دوسری برادر تنظیم سے۔ یہ نوجوان اس ملک کے اندر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن وسنت کی بالادستی اور شریعت کا نفاذ، حکومت الٰہیہ کا قیام اور زندگی کے تمام دائروں میں اسلام کے احکامات اور اس کی ہدایات پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ بحیثیت ذمہ دار اور کارکن یہ کوشش کی جانی چاہیے کہ نوجوانوں کو بامقصد بنائیں، زندگی کے نصب العین کے لیے جدوجہد کرنے کا عنوان ان کے دل و دماغ میں سجائیں اور زندگی اس ملک میں جن راہوں سے گزر رہی ہے، جتنے بڑے پیمانے پر دہشت گردی ہے، حکمرانوں کے اللے تللے، لوٹ مار اور کرپشن کے کلچر کا سامنا ہے، اس کا مقابلہ نوجوانوں کی طاقت اور صلاحیت سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو متحرک، فعال اور بیدار کر کے جدوجہد کا خوگر بنایا جائے۔

موجودہ حکومت کی کارکردگی

ویسے تو بالعموم لیکن بلدیاتی انتخابات کے پیشِ نظر بالخصوص ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے جماعت سے وابستہ ہر فرد کو کم از کم ملک کے سب سے بڑے صوبے کی حد تک حکمران جماعت کا منشور اپنی جیب میں رکھنا چاہیے تاکہ لوگوں کو بتایا جاسکے کہ انھوں نے اپنے منشور میں لکھا یہ تھا کہ آئی ایم ایف کے پاس نہیں جائیں گے، کہا یہ تھا کہ کشکول توڑ دیا ہے، اور اپنی شرائط پر قرضہ لیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے لیکن کام اپنے منشور سے بالکل مختلف کر رہے ہیں۔ جس پارٹی کو یقین ہو کہ وہ الیکشن جیت رہی ہے تو وہ اچھے ہوم ورک کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ مسلم لیگ ن کو یہ معلوم تھا کہ الیکشن جیتتے ہی اسے بجٹ لانا پڑے گا اور اگر تیاری نہ ہوئی تو ٹیکسوں کی بھرمار کرنی پڑے گی۔ حکومت کی پانچ ماہ کی کارکردگی سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یا تو وہ منشور ہاتھی کے دانت کی مانند تھا جن کا معاملہ اس پہ ہوتا ہے کہ دکھانے کے اور کھانے کے اور، یا دعوے کے مطابق ان کے پاس کوئی ٹیم نہیں تھی جو اس پر عمل درآمد کے لیے سوچ بچار کرتی اور کام کر کے لوگوں کو مشکلات سے بچاتی۔ آئی ایم ایف کی شرائط پر قرض لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ بجلی و گیس کی قیمتیں بڑھتی چلی جائیں، پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ ہو اور قومی ادارے نجکاری کا شکار ہوتے چلے جائیں۔ اس تناظر میں مسلم لیگ ن کے منشور کے حوالے سے جماعت اسلامی کے ہر ذمہ دار اور کارکن کا اچھا ہوم ورک ہونا چاہیے۔ مناظرے یا جھگڑے کی کیفیت نہ ہو لیکن یہ بات فیلڈ میں بہ تکرار، بصد اصرار اور ایک بار نہیں سو بار کہنی چاہیے کہ انھوں نے عوام سے جو وعدے کیے تھے، انھیں پورا نہیں کیا ہے۔

وقت نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ الیکشن سے احتساب نہیں ہوتا۔ بعض لوگ یہ کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیتے ہیں کہ انتخاب ہی سب سے بڑا احتساب اور فیصلہ کن امر ہے، مگر مشاہدہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں جو آتا ہے وہ چوروں کے بادشاہ، علی بابا کا رُوپ دھار لیتا ہے اور چالیس چوروں پر سوار ہو کر حکمرانی کرتا ہے۔ عوام الناس کو یہ بتانا چاہیے کہ چوروں کو ووٹ دے کر قسمت نہیں سنور سکتی، مستقبل تابناک اور روشن نہیں ہوسکتا، حالات میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوسکتی۔ چوروں کو ووٹ دے کر اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور کرپٹ لوگوں کو ووٹ دے کر اگر کوئی سمجھتا ہے کہ کرپشن کا خاتمہ ہوجائے گا، تو اسے بسم اللہ کے اس گنبد سے باہر نکلنا چاہیے۔ ان بنیادی حقائق کی روشنی میں ہر صوبے میں وہاں کے حالات کے مطابق انتخابی حکمت عملی اور ووٹر کو مخاطب کرنے کے لیے صحیح بیان تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ ملکی، صوبائی اور مقامی تمام حالات اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنی انتخابی مہم کو مرتب اور منظّم کرنا ہوگا۔

نفاذِ شریعت اور جمہوری جدوجہد

جماعت اسلامی نے زمام کار کی تبدیلی کے لیے جمہوریت اور انتخاب کا راستہ اختیار کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ جمہوریت کے حوالے سے عمومی طور پر دنیا بھر میں ایک قاعدہ کلیہ اور اصول بیان کیا جاتا ہے کہ جمہوریت کو چلانے کے لیے سیکولرازم اتنا ہی ضروری ہے جتنا خود جمہوریت۔ اگر سیکولرازم نہ ہو تو جمہوریت ناکام ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ جمہوریت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہے کہ اکثریت تو مذہب نہیں ہوا کرتی۔ اسی حوالے سے ہمارے ہاں بھی یہ بات کہی جارہی ہے کہ فیصلہ سازی شریعت کے بجاے اکثریت کے حوالے کر دی گئی ہے۔ پاکستان کے تناظر میں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے۔ اسی لیے مثال دینی پڑتی ہے کہ شراب کی حرمت اور اس پر پابندی کے خلاف اگر اکثریت فیصلہ کرتی ہے تو ہم اسلامی جمہوریت کے قائل ہیں، اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن اس کو دوسرے طریقے سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جماعت اسلامی کی حیثیت پہلے دن سے اسٹریٹ پاور کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔ جن چیلنجوں کا مقابلہ کیا گیا اور اہداف کا حصول ممکن ہو پایا، اور مختلف حوالوں سے پارلیمنٹ نے جو فیصلے کیے، مثلاً قرارداد مقاصد اور ختم نبوت، تو اس کے پیچھے ایک تحریک اور سٹریٹ پاور تھی، اور اس میں جماعت اسلامی پیش پیش تھی۔ اگر نظام مصطفیؐ کی تحریک کو لوگ سب سے مضبوط اور بڑی تحریک قرار دیتے ہیں تو اصلاً وہ اسٹریٹ پاور تھی جس نے اس کو یہاں تک پہنچایا۔ پاکستان قومی اتحاد کا قیام نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں تھا۔ اس کے ابتدائیے، تمہید اور اہداف میں کہیں نظام مصطفیؐ کا ذکر نہیں ملے گا لیکن کیونکہ عوامی سطح پر ایک بڑی تحریک تھی اور جماعت اسلامی، اس کا کارکن اور اس کی تنظیم اس میں پیش پیش تھی تو وہ نظامِ مصطفیؐ کی تحریک بن گئی۔ اور کسی کے اندر اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ سوال کر سکے کہ یہ نظامِ مصطفیؐ کہاں سے آ گیا۔

ہم جمہوریت اس لیے چاہتے ہیں کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ سکیں۔ آنے والے دنوں میں یہ مسائل پھر درپیش ہوں گے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ سیکولرازم کے بغیر جمہوریت اور حکومت نہیں چلتی، وہ نت نئے مسائل سامنے لاتے رہتے ہیں۔ جیسے آج کل یہ بات بہت زیر بحث ہے اور کچھ عرصے تک اسمبلیوں کے اندر آجائے گی کہ سزاے موت کو ختم کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات خلافِ شریعت ہے۔ جماعت اسلامی کا کارکن اس کو شریعت کے نقطۂ نظر سے میدان عمل میں لے کر آئے کہ ہمیں کسی کو مارنے سے دل چسپی نہیں ہے لیکن شریعت کی سزاؤں کا تحفظ مطلوب ہے، تو بالکل ایک دینی تحریک اُٹھ کھڑی ہوگی اور پھر اس میں سزاے موت کا معاملہ ہی نہیں بلکہ پورا دینی ایجنڈا شامل ہوجائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت اور جمہوریت کے تعلّق کی نسبت سے ایک بنیادی بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ پاکستان کی آبادی کا ۹۵ فی صدی مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان رکھتا ہے اور اسے اپنی زندگی کے قانون اور ضابطے کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے، اور پاکستان کا دستور اس بنیاد پر قائم ہے کہ ریاست اور معاشرہ دونوں کے لیے اسلام رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور قانون سازی کا منبع قرآن وسنت ہیں۔ شریعت کوئی باہر سے لائی جانے والی چیز نہیں بلکہ جمہور کا اصل منشا اور مقصود اور ان کے دل کی آواز ہے۔ اور یہی چیز اسلامی جمہوریت کو سیکولر جمہوریت سے ممتاز کرتی ہے کہ جمہور نے ریاستی نظامِ کار کے لیے اپنی آزاد راے سے اپنے ایمان اور جذبات کے مطابق جو دستوری فریم ورک بنا دیا ہے، اب قانون سازی اسی فریم ورک کے مطابق ہوگی اور یہی حقیقی جمہوریت کی اصل روح ہے۔ ان میں کوئی تضاد یا تناقض نہیں۔ سیکولر لابی جمہوریت کے نام پر جمہور کے اصل عقائد، احساسات، خواہشات اور تمناؤں کے برعکس ایک درآمد شدہ نظامِ اقدار ان پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر اس کے لیے پارلیمنٹ کے ادارے کو بھی دستور کی واضح دفعات اور دستور کی اسپرٹ کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر جمہور کے لیے اپنے مقاصد اور احساسات کو مؤثر بنانے کے لیے اسٹریٹ پاور کا ہتھیار ہے، جو دنیا بھر میں جمہوریت کا ایک اہم ستون تسلیم کیا جاتا ہے۔

یہ بھی جمہوریت ہی کا ایک خوش گوار پہلو ہے اور ہمارے نزدیک اس کی قبولیت کی ایک اہم وجہ بھی یہ ہے کہ اس سے ایک آزادی میسر آتی ہے اور حق کو حق کہنے اور باطل کو باطل کہنے کے عنوانات کہکشاں کی طرح دُور تک سجے نظر آتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی قدر کی جانی چاہیے۔ الحمدللہ جماعت اسلامی کے پاس وہ اسٹریٹ پاور موجود ہے جو معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرسکتی ہے اور اس حقیقت کو ہمارے مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سٹریٹ پاور اسے برادر تنظیموں سے بھی میسر آتی ہے اور جب عوام کے مسائل سامنے آتے ہیں تو جماعت اسلامی کے نہایت بزرگ اور ضعیف کارکن بھی جوان ہوجاتے ہیں اور جوانوں سے زیادہ تحرک اور جوش وسرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نیز وہ عوام بھی اس میں متحرک ہوجاتے ہیں جو الیکشن کے وقت چاہے برادریوں اور روایتی سیاسی وفاداریوں کی گرفت میں ہوں لیکن اہم قومی ایشوز پر دل کی بات کہنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے لیے کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اسلامی تحریکیں اور حکمت عملی

گذشتہ دنوں لاہور میں منعقد ہونے والی اسلامی تحریکوں کی دو روزہ عالمی کانفرنس کے حوالے سے یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تحریکات کی قیادت میں اس اعتبار سے مکمل طور پر یکسوئی پائی گئی کہ اپنے اہداف تک پہنچنے کے لیے اسلامی تحریکوں کو پُرامن جدوجہد کرنی چاہیے اور اس کے لیے جمہوری راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے۔ کسی پر کوئی چیز تھوپ دی جائے تو وہ الگ بات ہے لیکن پرامن جدوجہد اور اپنی دعوت کی بنیاد پر دل و دماغ مسخر کر کے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانا، انھیں اپنے جلو میں لے کر چلنا اور پھر اس کے مطابق ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ کانفرنس میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے اپنے سیکڑوں اور ہزاروں ساتھیوں کی لاشیں اٹھائی ہیں اور اپنی آنکھوں سے جوانوں کا خون بہتے اور بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر ظلم ہوتے دیکھا ہے لیکن انھوں نے بھی یہ بات کہی کہ اسلامی تحریکوں کا راستہ پُرامن ہے۔

نہ شریعت بندوق کی نالی کے ذریعے قائم ہوتی ہے اور نہ امن۔ ریاست کے لیے قوت کے استعمال کا ایک مقام اور حق ہے لیکن یہ اختیار بھی حق اور ضابطے کا پابند ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قرآن کا واضح حکم ہے اور یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور تاریخ کا سبق ہی یہ ہے کہ جو تبدیلی بندوق کے ذریعے آتی ہے، اسے باقی رکھنے کے لیے بھی بندوق ہی کی کارفرمائی ضروری ہوتی ہے اور اس طرح انسانی معاشرہ اور ریاست بندوق کے اسیر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ انسانی معاشرے کے لیے ہدایت اور اصلاح کے اس راستے کی ضد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعے انسانیت کی ابدی ہدایت کے لیے ہمیں دیا ہے اور بات بھی بہت واضح ہے۔ ہماری دعوت اور تحریک پُرامن اس لیے ہے کہ جن کے پاس پیغام ہو، وہ پُرامن ذرائع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اسلام کی دعوت مقبول ہے اور قرآن و سنت پر مبنی پروگرام لوگوں کے دل کی آواز ہے۔ اگر اسلامی تحریکیں اپنے اندر، لوگوں کے دلوں پر دستک دینے کی صلاحیت پیدا کریں، اچھے اخلاق کا مظاہرہ کر کے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا[illegible] یہ ثابت کریں کہ وہ قرآن و سنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فرماں روائی اور عدل و انصاف کے نظام کا نفاذ چاہتی ہیں، تو عوام الناس ان کا ساتھ دیں گے۔

مغرب کی حکمت عملی اور اسلامی تحریکیں

نائن الیون کے بعد اہل مغرب، مغربی تہذیب اور اس کے سرمایہ دارانہ نظام نے اسلام کو فنا کے گھاٹ اتارنے، اس کی قیادت کو چارج شیٹ کرنے اور پوری دنیا کی نگاہ میں اخلاقی طور پر اس کو گرانے اور سیاسی طور پر اس کا پوسٹ مارٹم کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس سے اسلامی تحریکوں کو نقصان پہنچا ہے (اگر اسے نقصان کہا جائے جو اخوان کو مصر میں ہوا ہے یا افغانستان میں ہوا)۔ لیکن اگر بیلنس شیٹ بنائی جائے تو اس نقصان کے مقابلے میں فائدہ زیادہ ہوا ہے۔ اخوان المسلمون سے لوگوں نے براءت کا اعلان نہیں کیا کہ آیندہ اس پلیٹ فارم پر نہیں آئیں گے، بلکہ وہ جوق در جوق آ رہے ہیں، آگے بڑھ رہے ہیں اور اخوان نے پوری قیادت کے پابند سلاسل ہونے اور تنظیم پر پابندی لگنے کے باوجود تحرک اور مسلسل احتجاج کی ایک نظیر قائم کی ہے۔

یہی معاملہ بنگلہ دیش کا ہے جہاں پھانسیوں کی سزائیں سن کر لوگوں کے اندر بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا ہے، مگر جہاں جہاں اسلامی چھاترو شبر ہڑتال کی اپیل کرتی ہے وہاں مکمل ہڑتال ہوتی ہے۔ ہزاروں افراد کے پابند سلاسل کیے جانے کے باوجود گرفتاریوں کے لیے ہر جگہ درجنوں لوگ اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ قوت کہاں سے آئی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ مسلسل جدوجہد، مقصد کے ساتھ وابستگی اور اس کے لیے پیروں کو غبار آلود کرنے کا نتیجہ ہے۔ چار دانگ عالم میں بنگلہ دیش جماعت کوئی اتنی جانی پہچانی اور لوگوں کے درمیان اتنی مقبول نہیں تھی جتنی اب ہوئی ہے۔ پھانسیوں کی سزائیں ہوں یا جیلوں میں جانے کا معاملہ ہو، یا زخموں سے چور لوگ ہسپتالوں کے اندر موجود ہوں، ان تمام نقصانات کے باوجود یہ تحریکیں آگے بڑھی ہیں۔ ان کا راستہ روکنے کے لیے مغرب اور اس کے گماشتوں نے جتنے ہتھکنڈے استعمال کیے وہ سارے ناکارہ ہوگئے ہیں۔ وہ سارے اوزار اور ہتھیار فرسودہ قرار پائے ہیں جو اسلامی تحریکوں کو ذبح کرنے کے لیے استعمال کیے گئے۔

مغرب کی تازہ حکمت عملی یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں کو تشدد کی طرف دھکیلا جائے اور اس بات کو ممکن بنایا جائے کہ وہ ردعمل کا شکار ہو کر انتقامی کارروائیوں کی طرف چل پڑیں۔ اشتعال، غصّے اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں [illegible] معاشرے کا نقصان کریں تا کہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجے میں ان پر گرفت کرنا اور ہاتھ ڈالنا آسان ہو جائے اور عوام اور ان کے درمیان بھی بے اعتمادی پیدا ہو جس کے نتیجے میں وہ عوامی تائید سے محروم ہو جائیں۔ چاروں طرف سے مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے، ان کا جینا دوبھر کیا جارہا ہے، ان سے سارے حقوق چھینے جارہے ہیں، دیوار کے ساتھ لگا کر بند گلی کا اسیر بنایا جارہا ہے، تاکہ وہ اپنا نام ہی بھول جائیں اور اپنی شناخت ہی گم کر بیٹھیں۔ کل وہ بنیاد پرست تھے، پھر متشدد قرار پائے، اور پھر دہشت گرد، اب کوئی اور بھی مرحلہ آجائے گا۔ بین الاقوامی سطح پر یہ بات تو طے کر لی گئی ہے کہ دہشت گردی عالمی مسئلہ ہے لیکن دہشت گرد ہونے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اگر مسلمان نہیں ہے تو وہ دہشت گرد نہیں ہے۔ سارے رویے اور ساری کوششیں اس کی غمازی کرتی ہیں۔ امریکا میں کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ ایک آدمی نے درجنوں لوگوں کو قتل کر دیا، لیکن کبھی ایسے آدمی کو دہشت گرد نہیں کہا گیا۔ اگر وہ امریکی ہے، ان کا ہم مذہب اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض تھا اور ردعمل میں اس نے یہ کیا، اور پھر ایک دو دن کے بعد ہی وہ خبر غائب بھی ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسا کرنے والا مسلمان ہے تو پہلے ہی لمحے سے بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ دہشت گرد نے یہ کام کیا ہے، اور پھر تبصروں اور تجزیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اسلامی تحریکوں میں ایک بڑی تعداد نوجوانوں کی ہے اور یہ خود ان تحریکات کی کامیابی کی علامت ہے۔ اسی طرح خواتین کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دعوت کے ابلاغ کے لیے ہر وقت بے چین اور مضطرب رہتی ہے۔ جوانوں کی جوانی اور خواتین کے قوت و طاقت سے سرشار جذبوں اور رویوں کی قدر کرتے ہوئے انھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلامی تحریکوں کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ پُرامن راستہ اپنائیں۔ دعوت و تبلیغ اور دل و دماغ کو اپیل اور مسخر کر کے اپنی قوت میں اضافہ کریں اور اپنے حالات بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ وہ تحریکیں جو پرامن راستوں کو اپناتی ہیں، قاعدے ضابطے کا اپنے آپ کو پابند بناتی ہیں وہ دیر تک اور دُور تک چلنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ بقا کے لیے تحریکوں کا پُرامن رہنا ضروری ہے۔ تشدد کا راستہ اپنانے سے مقاصد دم توڑ دیتے ہیں اور فنا کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں، اور تحریکوں کے اندر غیر مطلوب چیزیں در آتی ہیں۔

امریکا اور مغرب کے موجودہ ہتھکنڈے ایک ہاری ہوئی جنگ جیتنے کے حیلے بہانے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ جنگ جو میدان جنگ کے اندر افغانستان میں ہاری گئی ہے، وہ جنگ جو تہذیب و تمدن، معاشرت اور خاندانی نظام اور اخلاقیات کے دائرے میں الحمدللہ مسلمانوں نے بڑی حد تک جیتی ہے، اس فتح کو چھین لینے اور اس کو فراموش کر دینے کی تمام تدبیریں کی جارہی ہیں۔ یہ ہمارے شوق کی بات نہیں کہ امریکا کو للکارا جائے اور اسے دیس نکالا دینے کی بات کی جائے۔ہمیں امریکا سے کسی خاص سطح پر کوئی دشمنی بھی نہیں ہے اور امریکا میں بسنے والے کروڑوں لوگوں سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔مگر ہمارے تہذیب و تمدن سے انکار، اور اپنے رویوں اور اقدامات پر غیر ضروری اصرار کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک وہ کرتے آئے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں، ہمیں دراصل اس سے اختلاف ہے۔ حالات سے اسی واقفیت کے نتیجے میں جماعت اسلامی اپنی پالیسیاں بناتی اور 'گو امریکا گو' تحریک چلاتی ہے جو دراصل ایک نظریاتی اور تہذیبی کش مکش کی علامت ہے۔

اس تناظر میں جماعت کے ذمہ داران اور کارکنان کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ اگلے سال کے اوائل میں امریکی فوجوں کو افغانستان سے جانا ہے (اگرچہ امریکا یہ اعلان کر رہا ہے کہ اس کی چند ہزار فوج افغان قیادت کے تحفظ کے لیے تربیت کے نام پر افغانستان میں رہے گی)۔ امریکا کے جانے کے بعد جو بھی امریکا کی پسند کے حکمرانوں کا تحفظ کرے گا، اس کا حشر اس سے بھی زیادہ برا ہوگا جتنا امریکا کے ہوتے ہوئے ہوا ہے۔اس بات کی اہمیّت کو سمجھنا اور عوام الناس تک پہنچانا چاہیے کہ خطے پر امریکی اور ناٹو فورسز کا قبضہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ اس خطے کے وسائل پر نظر رکھی جائے، اور ان کو بالآخر امریکی خواہش کے مطابق قابو میں لایا جائے، بلکہ یہ خطہ پوری دنیا میں سب سے اہم خطہ ہے کیونکہ یہاں امریکا کے نئے عالمی نظام کی سب سے زیادہ مزاحمت ہے۔ یہاں پاکستان، ایران اور افغانستان موجود ہیں، اور متحرک اسلامی تحریکیں موجود ہیں۔ یہاں چین ہے، مزاحمت کرتی ہوئی وسطی ایشیا کی ریاستیں ہیں۔

ایران کے حوالے سے یہاں ایک بات محض افہام و تفہیم کے لیے کہنی ضروری ہے اور اسی بنیاد پر ہم اپنے ارباب حل و عقد سے یہ بات کہتے ہیں کہ امریکا کی اہمیّت کے پیش نظر ہم اس سے لڑائی نہیں لڑنا چاہتے، اس کی دشمنی نہیں مول لینا چاہتے، لیکن اس پوری پالیسی پر نظر ثانی کرنا وقت کا تقاضا ہے۔امریکا کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ ایران کی صورت میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ پچھلے ۱۲ سال میں عراق اور افغانستان کے بارے میں امریکا اور ایران کی پالیسیاں ایک جیسی ہیں، اگرچہ ابھی یہ طے کرنا مشکل ہے کہ اس میں زیادہ فائدہ کس کو ہوا ہے؟ عراق میں سنی حکومت کے بدلے میں شیعہ حکومت قائم ہوگئی ہے۔ افغانستان میں ایک دیوبندی یا مذہبی حکومت تھی، اس حکومت کو ہٹایا گیا تو ایران کے مقاصد پورے ہوئے۔ گویا ایران اور امریکا نے یہ بتائے بغیر کہ دونوں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں، اپنی خارجہ پالیسی کو اس طریقے سے ترتیب و تشکیل دیا کہ ایک نے دوسرے کو فائدہ پہنچایا اور دونوں نے اپنے دشمن کو نقصان پہنچایا۔ پاکستان کو بھی امریکا کے ساتھ اپنے فوائد سمیٹنے، اہداف حاصل کرنے اور اپنی ترجیحات کے مطابق معاملات طے کرنے کے لیے ایک نئی خارجہ پالیسی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ آزاد خارجہ پالیسی وہی ہوتی ہے جو قومی مقاصد کی آبیاری کرے اور ملک و ملت کے لیے سودمند ثابت ہو۔ پاکستان ابھی تک اس خطے میں اس خارجہ پالیسی پر عمل کر رہا ہے جو دراصل امریکی مفادات کی نگران ہے اور امریکی ترجیحات کے مطابق کام کرتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور دہشت گردی کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے حکومت نے آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی ہے۔ اس کا مشترکہ اعلامیہ سامنے آیا ہے اور اتفاق راے سے فیصلے ہوئے ہیں لیکن اس میں بنیادی بات یہی ہے کہ دہشت گردی کا آغاز تو 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' سے ہوا ہے۔ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جس جنگ کا حصّے دار بنا ہوا ہے اور ضرورت سے زیادہ جس میں دل چسپی لے رہا ہے، اگر ماضی کی طرح 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' میں پاکستان کا یہ کردار جاری رہتا ہے، امریکا کے ساتھ انٹیلی جنس شیئر کرتے ہیں، ڈرون حملوں کو برداشت کرتے ہیں جو وار آن ٹیرر کا ہی ایک عکس ہیں۔ اس کے لیے امریکا کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی جاتی ہے، حساس ایئرپورٹ اس کے حوالے کیے جاتے ہیں، انٹیلی جنس شیئر کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے ڈرون حملے پاکستان کی سرزمین سے ہوتے تھے، اب باہر سے ہو رہے ہیں، مگر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی معاونت کے بغیر یہ حملے باہر سے ہوسکیں۔ باہر بیٹھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ کہاں حملہ کرنا ہے جب تک کہ مقامی طور پر انٹیلی جنس فراہم نہ کی جائے۔ دہشت گردی کے اس مسئلے کو آل پارٹیز کانفرنس جس حد تک ایڈریس کرسکتی تھی اس نے کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ ڈرون حملے ختم کیے جائیں اور 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' سے جان چھڑائی جائے۔ اگر یہ دونوں کام نہیں ہو پاتے بلکہ ایک کام نہیں ہو پاتا تو دوسرا بھی نہیں ہوگا اور دوسرا نہیں ہوگا تو دہشت گردی کی ایک فضا موجود رہے گی۔

بھارت سے دوستی اور حکومتی روش

اس مسئلے کو اس تناظر میں بھی دیکھنا چاہیے کہ مغربی قوتوں اور بھارت کا اس پر اتفاق ہے کہ پاکستان میں انارکی و اشتعال کی فضا پیدا کر کے ایک ناکام ریاست کی صورت پیدا کی جائے، اور انتشار کو یہاں تک پہنچا دیا جائے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے غلط اور غیر ذمہ دار ہاتھوں میں جانے کا واویلا کر کے اسے بین الاقوامی کنٹرول میں لینے کی کوشش کی جائے۔ ملک بھر میں جگہ جگہ جو حملے ہو رہے ہیں، ممکن نہیں ہے کہ سارے مقامی لوگ ہی کر رہے ہوں۔ خود آئی ایس آئی اور ایف سی کے عہدیدار اور موجودہ و سابق حکمران یہ بیانات دے چکے ہیں کہ افغانستان میں بیٹھ کر بھارت، بلوچستان میں پیسہ اور ہتھیار کی تقسیم کے ذریعے پاکستان کو غیر مستحکم کر رہا ہے۔

بھارت کے حوالے سے خارجہ پالیسی میں ایک نئی اپروچ اختیار کرنے کی ضرورت تھی لیکن حکومت اس حوالے سے بھی قومی توقعات پر پورا نہیں اتری ہے۔ میاں نواز شریف بھارت کو پسندیدہ ترین ملک کا درجہ دینے کے لیے بے چین اور مضطرب ہیں۔ بھارت کے ساتھ دوستی کے بیانات دے کر اپنے دل و دماغ کی تشفی کرتے اور کشمیریوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں۔ بھارت سے دوستی کا راگ الاپنا کشمیریوں کے ساتھ دشمنی کا اعلان کرنے کے مترادف ہے۔ حکمرانوں کی بھارت کے ساتھ وارفتگی کا یہ عالم اس کے باوجود ہے کہ پسندیدہ ترین ملک کا درجہ دینے اور تجارت کے نتیجے میں پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بھارت کی سرحد افغانستان سے نہیں ملتی اور جو کارروائی وہ سرحد کے ہونے سے کرسکتا ہے اس سے محروم ہے، یہ درجہ ملنے کے بعد پاکستان کے اندر اس کی دخل اندازی میں اضافہ ہو جائے گا۔ وہ افغانستان میں بیٹھ کر افغانستان کو بھی کنٹرول کرنا چاہے گا اور چین کو بھی اس کی حدود میں رکھنے کے منصوبے پر عمل کرے گا۔

بھارتی صدر، وزیراعظم اور فوجی جرنیل مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ بھارت کے اندر دہشت گردی آسمان سے نہیں ٹپکتی بلکہ پاکستان سے آتی ہے۔ حکومت پاکستان نے اس طرح کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الزامات پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ کوئی یاد نہیں دلاتا کہ بھارت دنیا کا وہ واحد ملک ہے جو دہشت گردی کے اندر خود کفیل ہے اور اسے باہر سے کسی دہشت گرد یا دہشت گردی کی ضرورت نہیں ہے۔ بھارت میں درجنوں علیحدگی کی مسلح تحریکیں چل رہی ہیں جو پوری کی پوری ٹرین اغوا کر لیتی ہیں۔ ایسے واقعات جن میں انگلی پاکستان کی طرف اٹھائی جاتی ہے، ان کے بارے میں بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سارا ان کا اپنا کیا دھرا ہے، چاہے وہ سمجھوتا ایکسپریس کا معاملہ ہو یا بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کا۔ خود ان کے اپنے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ پاکستان کو موردِ الزام ٹھیرانے اور اس پر دہشت گردی کا ملبہ گرانے کے لیے یہ کام ہم نے کیا ہے۔ پاکستان کو مذاکرات کی میز پر یہ بات کرنی چاہیے کہ دہشت گردی بھارت کے اندر بھی بھارت ہی سے ہوتی ہے اور پاکستان بھی اس کی ریاستی دہشت گردی کا شکار رہے۔ جہاں ایک وزیراعلیٰ اور مستقبل میں وزارت عظمیٰ کا دعوے دار مسلمانوں کا قتل عام کرتا ہے، وہاں دہشت گردوں کی کمی نہیں ہے۔ دنیا بھر میں اقلیتیں اتنی غیر محفوظ نہیں ہیں جتنی بھارت میں ہیں، چاہے وہ پارسی اور عیسائی ہوں یا سکھ اور مسلمان۔ وہ تہہ تیغ کیے جاتے ہیں، مستقبل سے نااُمید اور مایوس کیے جاتے ہیں اور زندگی کے تمام دائروں کے اندر دیوار سے لگائے جاتے ہیں۔

بھارت کے ساتھ اس کی زبان میں بات کرنے کے بجائے میاں نواز شریف اور حکومت پاکستان نے بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے ملاقات کے لیے منت سماجت کا رویہ اختیار کیا، جس کی وجہ سے من موہن سنگھ کو برتری و بالادستی حاصل رہی ہے۔ اس نے نہ صرف تمام ایشوز پر بھارتی مؤقف کو مضبوطی سے پیش کیا بلکہ کھل کر کہا کہ کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے۔ میاں نواز شریف بالعموم یہ بات کہتے ہیں کہ اٹل بہاری واجپائی کی پاکستان آمد پر جو معاہدہ ہوا تھا، وہیں سے بات دوبارہ شروع کی جائے گی۔ اس کو انھوں نے ملاقات سے پہلے بھی دہرایا مگر منموہن سنگھ نے اسے بالکل درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ میاں صاحب کی جنرل اسمبلی کی تقریر بھی تضاد سے بھرپور تھی۔ انھوں نے ایک طرف یہ کہا کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر حل ہونا چاہیے، وہاں یہ بھی کہا کہ واجپائی کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا، مذاکراتی عمل کا آغاز وہیں سے کیا جائے گا حالانکہ واجپائی کے ساتھ معاہدے میں اقوام متحدہ کے کردار اور اس کی قراردادوں کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا، بلکہ مسئلہ کشمیر کو شملہ معاہدے کے مطابق دونوں فریقوں کے درمیان بات چیت کے ذریعے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حل کرنے کی بات کی گئی تھی۔ آیندہ دنوں میں یہ تضاد ایک بڑا عنوان بننے جا رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسا سیاسی ایشو ہے جس کے لیے لوگوں کو متحرک اور بڑے پیمانے پر یکجا اور جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس سے نہ صرف جماعت کی سیاسی اور قومی پالیسی کو واضح کرنے کا موقع ملے گا بلکہ حکومت بھی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہوگی۔

ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے جماعت سے وابستہ ہر فرد کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ گاہے کوئی ایک نکتہ ایک بڑی سیاسی تحریک میں بدل جاتا ہے۔ وہ نکتے جو تحریک بن کر اُبھرتے ہیں اور بڑے پیمانے پر لوگوں کو اپیل کرتے ہیں، انھیں اپنے دل و دماغ میں تازہ رکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام جماعت اسلامی کے کارکن ہی کو کرنا ہے۔ کوئی اور پارٹی ایسی نہیں ہے جس کے پاس ایسی اسٹریٹ پاور ہو جو یہ کام کرسکے، جس کے پاس سیاسی فہم، دُور اندیشی اور فہم و فراست ہو، اور اتنی سیاسی بصیرت و بصارت ہو کہ دُور کی بات سوچ کر لوگوں کو اس پر مجتمع کرسکے۔ جماعت کے ذمہ داران اور کارکنان کو ان ایشوز پر آپس میں بات کرتے رہنا چاہیے تاکہ جب کچھ کرنے اور میدان میں نکلنے کا عنوان سجے تو ہمارے لیے کوئی گتھی ایسی نہ ہو جو سلجھائی نہ جاسکے اور کوئی گرہ ایسی نہ ہو جس کو کھولا نہ جاسکے، بلکہ تمام چیزیں ہمارے سامنے دو اور دو دو چار کی طرح واضح ہونی چاہییں۔

مختلف قومی و بین الاقوامی ایشوز پر واضح، دوٹوک اور جرأت مندانہ کردار ہی جماعت اسلامی کو عوام کی نظروں میں قابلِ اعتماد بنائے گا۔ جماعت اسلامی کے ہرسطح کے ذمہ دار اور کارکن کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ الیکشن کے ذریعے کامیاب ہونے کی حکمت عملی کا آغاز نئے انتخابات کے بگل بجنے اور برسرِ اقتدار حکمران طبقے کی شکست و ریخت سے بہت پہلے دینی، سماجی، رفاہی اور سیاسی دائروں میں عوامی اُمنگوں اور آرزوؤں کا ترجمان بننے سے ہوگا۔ جماعت اسلامی ایک وسیع البنیاد ایجنڈے کے ساتھ زندگی کے لگ بھگ تمام دائروں میں نہ صرف موجود بلکہ متحرک ہے۔ انفرادی طور پر ہمارے پاس ہر دائرے میں انسانی اور عوامی خدمت کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔ ضرورت ایک شاہ ضرب (master stroke) کی ہے جو ان تمام کاموں کو آپس میں مربوط کرکے بالآخر ایک مکمل سیاسی تبدیلی کی صورت میں جلوہ گر ہوگی۔ ان شاءاللہ!

© rasailojaraid.com